# میر آجی کی نظموں میں تصور انسان، سماجی اور عمرانی تناظر میں

# The Socio-Cultural Aspect of Humanities in the Poems of Meera Ji

ارشد محمود ملک
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا
ڈاکٹر سید عامر سہیل
شعبہ اردو و اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

Arshad Mehmood Malik
PhD Scholar University of Sargodha
Dr. Syed Aamir Sohail
Dept of Urdu & Iqbaliat, Islamia University Bahawalpur

## Abstract

Meera Ji (میرا جی) and N.M. Rashid (ن، م راشد) are considered to be the pioneers of modern Urdu poem. Extensive use of symbolism in the poems of Meera Ji is one of the salient features of his poetry. Meera Ji produced his intellectual works on topics of sex and sensationalism in the society of sub-continent. These topics were considered to be the taboos and forbidden issues to be discussed in the context of social structure of the sub-continent in the age of Meera Ji. It is also evident that the research work carried out on the intellectual work of Meera Ji also revolves around the psychological tides of his persona. There is scarce research work available on the Meera Ji's concept of man presented in his poems. The present research article is an attempt to fill this research gap. The article provides a deep insight into the Meera Ji's concept of man in the societal perspective of sub-continent.

**Key Words:** Meera ji, Modren Urdu poetry, Socio Culture, sub-Continent Society, Psychological

**کلیدی الفاظ:** میر آجی، جدید اُردو نظم، جنس، تہذیب و ثقافت، قدیم ہندوستانی معاشرتی نظام

میر اجی اور ن م راشد جدید اُردو نظم کے معمار کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ میر اجی کی جدید نظم میں علامات کا عمیق نظام ان کی نظموں کی خصوصیت کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ انھوں نے حسیت اور جنس کے ممنوعہ معاشرتی میدانوں میں طبع آزمائی کی ہے اور ان پر کیے گئے کام کا بیشتر حصہ ان کے نفسیاتی مدو جزر کے گرد گھومتا ہے، جبکہ یہ آرٹیکل ان کی شاعری کے سماجی اور ثقافتی انسلاک کے تناظر کی طرف ایک قدم بڑھانے کی کاوش ہے۔

اُردو ادب میں کوئی روایت ایسی نہیں گزری جس میں ادب کو سماجی تقاضوں سے الگ رکھا گیا ہو کیوں کہ ادب سماج کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور سماج ادب سے باہر نہیں ہو سکتا۔ اُردو شاعری میں میرا جی جدید ادب کے معمار کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ اگرچہ ان کی شاعری نفسیاتی الجھنوں کے گرد گھومتی نظر آتی ہے مگر میرا جی ہندوستانی معاشرے میں رہتے ہوئے جس نظم کو پروان چڑھاتے ہیں موجودہ تناظر میں اس کا جائزہ لینا از حد ضروری ہے کیونکہ معاشرہ افراد سے وجود میں آتا ہے اور ان کے باہمی میل جول سے ہی معاشرہ پروان چڑھتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسان مل جل کر رہنے پر مجبور ہے اور وہ اجتماعی زندگی گزار کر خوش ہوتا ہے، پھر انسان اپنی بقا کے لیے تحفظ بھی چاہتا ہے جو اسے معاشرہ ہی فراہم کر سکتا ہے۔ یہیں سے انسان کی گروہی زندگی کا آغاز ہوتا ہے اور اسی معاشرے میں انسان کی موروثی خصوصیات مخصوص ثقافتی اور سماجی ماحول میں پروان چڑھتی ہیں۔ معاشرے کی کثیر الجہت عطائیں تب بار آور ہوتی ہیں جب معاشرے سے منسلک افراد، معاشرے کو دانش اور تجربے کا دان دیتے ہیں کیوں کہ سماج انسان کی اجتماعی فلاح و بہبود سے باہم منسلک ہوتا ہے لہٰذا معاشرے کا مطلب باہمی انسانی انسلاک ہے۔ معاشرہ انسان کی حدود اور اس کی وسعتوں اور آزادی کا تعین کرتا ہے جو معاشرتی تسلسل اور ترقی کے لیے ضروری ہے یہی معاشرتی نظام انسانی آزادی کو اپنے تابع رکھتا ہے اور اس کے لیے سماجیات میں سوشل کنٹرول کی اصطلاح وضع کی گئی ہے جو سماجیات کا لازمی موضوع ہے۔1

میرا جی کے ہاں شدید ارضی وابستگی ایک مخصوص سماج کے ساتھ مضبوط تعلق قائم رنبھاتی ہے۔ ان کے ہاں جنس اور محبت کے علاوہ اسراریت اور سرگوشی کے معاملات بھی اسی قدیم طرز معاشرت سے جُڑے نظر آتے ہیں جو قدیم ہندوستان کی تہذیب و ثقافت اور تمدن سے پھوٹتے ہیں۔ یہ قدیم معاشرت گیان، دھیان اور مراقبت کے علاوہ جوگ، سنیاس، آزاد روی اور بے نیازی کو اسی طرح قبول کرتی ہے جس طرح بستیوں یں رسوم و رواج کو قبول کیا جاتا ہے۔ تعلق اور بے تعلقی کا باہمی انسلاک ہی قدیم ہندوستانی معاشرت کی اساس ہے۔ قدیم ہندوستانی معاشرہ بے نیازانہ طرز حیات کو بھی اسی طرح قبول کرتا ہے، جس طرح عمل خیر کو قبول کیا جاتا ہے اور یہ بے نیازی اور کنارہ کشی کے معاملات بھی سوشل کنٹرول میں شامل ہیں۔ معاشرے کا مطلب ہی باہمی انسلاک کا ہے، معاشرہ انسان کی ان حدود اور وسعتوں کا تعین کرتا ہے جو معاشرتی تسلسل کے لیے ضروری ہوتی ہے۔2 اسی طرح میرا جی کی آزادی بھی قدیم ہندوستانی رہن سہن کا لازمہ قرار پاتی ہے۔ لہٰذا میرا جی کی نظموں کے تجزیے کے لیے اسی طرز معاشرت کی کھوج میں اُترنا ضروری ہے۔ سماجیات کا علم انسانی تضادات اور الجھنوں کی

بجائے اس میں باہمی چارے کی فضا کو سامنے لاتا ہے۔ معاشرہ وہیں قائم دائم رہتا ہے جہاں انسان ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو قبول کرتے ہیں جہاں زندگی ہوگی وہاں معاشرہ بھی ہوگا۔ میراجی اپنی تمام تر آزادیوں کے باوجود اسی معاشرے کا حصہ ہیں جسے ہم قدیم ہندوستانی دیومالائی تہذیب کہتے ہیں۔ وہ قدیم طرز عمل سے قدیم ہندوستانی معاشرت کا وہ حصہ ہیں جیسے پی، بی ہارٹن نے لکھا ہے کہ "معاشرہ میں ہر آدمی کچھ نہ کچھ دیتا ہے اور کچھ نہ کچھ لیتا ہے۔" 3 میراجی کے فکری سفر میں آریاؤں کی مذہبی روایات، ہندوستانی کا معاشرتی نظام اور اس کے سماجی اور ثقافتی حوالے اس تواتر سے آئے کہ خود دھرتی کا مکمل حوالہ بن گئے۔

ایک خالص ہندوستانی معاشرتی فضا سے گہری وابستگی ان کی نظموں میں تخلیق ہوئی۔ ان کا تصور انسان اسی فضا سے اپنی موجودگی کشید کرتا ہے اور ہندوستانی اساطیر، ہندوستانی مذاہب اور ہندوستانی فضامیں سانس لیتا ہے۔ ہندو دیومالا سے ان کی جذباتی ہم آہنگی انہیں ایک مخصوص فضامیں سوچنے اور اسی فضامیں نظم تخلیق کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ ان کی نظم اپنے خدوخال میں خالص ہندوستانی تہذیب کی نظم ہے جس میں مندر ہیں، گیت ہیں ساز و آواز ہے، رہن سہن ہے، عشق و محبت ہے، جنس اور مذہب ہے اور وہ سارے سماجی، ثقافتی حوالے ہیں جو ہندوستانی معاشرے سے پھوٹتے ہیں۔ ان کی شاعری انسانی باطن کی شاعری ہے۔ ان کی نظم میں اجنبی دنیاؤں میں وہی انکساری اور دلگدازی کی فضا قائم رہتی ہے جو قدیم اساطیر ہند کی معاشرتی فضا سے مختص ہے۔ بقول ڈاکٹر رشید امجد:

> "میراجی ہندوستانی تہذیب فکر کا احیا کر کے مشرقی بلکہ ہندوستانی مزاج کی بازفت چاہتے ہیں"4

انسانی معاشرتی تناظر میں میراجی کی نظمیں انسان کیفیات کے مطالعے پر مبنی ہیں۔ یہ نظمیں انسان کے باطن میں چھپی ہوئی تمام کیفیات ایک ایک کر کے سامنے لاتی ہیں۔ اور تہہ در تہہ گہرائیوں میں موجود غیر مرئی دنیا تک رسائی کے لیے یہ نظمیں جھلملاتے ہوئے عکس بناتی ہیں۔ جو میراجی کا خصوصی حوالہ بھی ہیں۔ میراجی کی نظمیں ہندوستانی تہذیب کی گنگا جمنی اور رنگارنگی کی علامت ہوتے ہوئے سنجوگ کے بعد مابعد الطبیعاتی حوالوں کے ساتھ کرب اور سوز کی علامت بنتی ہیں۔ بقول ڈاکٹر وزیر آغا جدید اُردو نظم میں فراز سے نشیب کی طرف لڑھکنے کا آغاز میراجی سے ہوتا ہے، لیکن میراجی نے اپنی مدافعتی قوتوں کی مدد سے تحفظ ذات کی کوشش بھی کی ہے۔ 5 اساطیر، موسیقی، رقص رنگ، جنگل، بندرا بن، رادھا کرشن اور اس طرح کی دیگر علامتوں سے میراجی کی ذہنی فضا سامنے آتی ہے۔ بقول میراجی:

"اکثریت کی نظمیں الگ ہیں، میری نظمیں الگ ہیں اور چونکہ زندگی کا اُصول ہے کہ دنیا کی ہر بات ہر شخص کے لیے نہیں ہوتی۔ اس لیے یوں سمجھیے کہ میری نظمیں صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جو انھیں سمجھنے کے قابل ہوں اور انھیں سمجھنا چاہتے ہوں اور اس کے لیے کوشش بھی کرتے ہوں"[6]

میراجی کو سمجھنے کے لیے یہی پس منظر ذہن نشین کرنا ضروری ہے اور اس کے لیے میراجی کی شخصیت اور نفسیاتی الجھنوں کا مطالعہ بھی اہم ہے۔ میراجی کا تصورِ موت اس لیے بھی اہم ہے کہ وہ موت کی آرزو کرتے ہیں اور ہمہ وقت موت سے دست و گریباں ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنے مقالے میں ان تمام علامات کا ذکر کیا ہے جس میں جنگ، اندھیرا، غار اور سایے وغیرہ کی صورت میں زوال کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہی زوال کی علامات دراصل تخلیقی زندگی کی سیمابیت کی علامات ہیں اور معاشرتی نظام کا بیانیہ بھی ہیں بقول ڈاکٹر وزیر آغا:

"میراجی کی جیت اس بات میں ہے کہ اس نے موت کی آواز کو سنا اور اس کی مقناطیسی کشش کو محسوس کیا ہے۔"[7]

ہماری معاشرتی زندگی کا بڑا حصہ انسانوں کے باہمی تعلق میں افقی رویوں کا مظہر ہوتا ہے اور یہ روز مرہ کے افقی معاملات سے متعلق ہے۔ معاشرے میں انسانوں کے مخصوص تعلق اور برتاؤ کے مثبت یا منفی رویوں، پابندیوں یا آزاد نقطہ نظر، تخلیقی یا غیر تخلیقی قوتوں کا امتزاج سامنے آتا ہے۔ میریا نسکی کے نزدیک "معاشرہ انسانوں کی مخصوص تعلق داری رہن سہن اور معاشرتی برتاؤ کے رویوں کا انتخاب ہے۔" 8 ان ہی معاشرتی رویوں سے بنے ہوئے امتزاج میں میراجی کی نظموں کا مطالعہ عمومی نفسیاتی مطالعہ جات سے مختلف ایک ایسی سمت کا تعین کرتا ہے جو ان کے معاشرتی رویوں کی دلیل کے طور پر سامنے آتا ہے۔ جبلت اور حیات اور جبلت مرگ دونوں مستقل حوالے ہیں۔ میراجی کی نظمیں ان دونوں حوالوں سے تصور انسان کا وہ پہلو پیش کرتے ہیں جو ان سے قبل اور ان کے مابعد ویسی ہی شدت کے ساتھ کسی اردو شاعر کے ہاں نظر نہیں آتا۔ انسان کی ذات کی صفتیں گہرائی اور پیچیدگی سے منسلک ہیں، جو دروں بینی سے متعلق ہیں۔ انسانی نفسیات میں شامل پیچیدگیوں سے موضوعات کشید کرتے ہوئے میراجی ہندوستانی سماجیات اور ہندوستانی سماج کی نفسیات سے کُلی واقفیت کو نظر انداز نہیں کرتے۔ ان کی نظم کی بُنت کاری میں اُس استغراق کا عمل دخل واضع ہے جو ہندوستانی کی مٹی سے جُڑا ہوا ہے۔ ان کی جمالیات کا منبع بھی اُسی انسان کے گرد گھومتا ہے جو صدیوں سے ہندوستانی تہذیب و تمدن میں حیات و موت تک مراحل طے کرتا ہے، فکری حوالے سے اُن کی نظم پوشیدہ امور کی نظم ہے۔ وہ اپنے فکر و فن

کی تنہائی سے واقف ہیں اور اس گھنگھور سکون کے متلاشی بھی جو انھیں مندروں کی گھنٹیوں اور بندرابن کے جنگلوں کے علاوہ کہیں اور نہیں مل سکتا۔ ٹھٹھری ہوئی راتیں، آکاش، بادل، بارش، صنم خانے، میکدے، دیویاں، بھگوان ان کی تخلیقی کائنات ہیں۔ اگرچہ یہ مادی حقیقت سے زیادہ اپنی تصوراتی تجسیم کی صورت میں انھیں عزیز تر ہیں۔ ان تمام علامات و مقامات اور تاریخی اساطیری حوالوں کے بغیر میرا جی اپنے آپ کو ادھورا تصور کرتے ہیں۔ کہیں کہیں تو یہ نظر آتا ہے کہ یہ سماجی اور تمدنی حوالے ان کے ہاتھ کے تین گولوں کی طرح ہیں۔9 جو ان کی ذاتی زندگی کا جزو لاینفک رہے اور جن کے بغیر ان کی زندگی مکمل نہیں ہوتی۔ وہ ذاتی طور پر خود اذیتی اور دکھ درد کے ساتھ زندہ رہے اور یہی وہ کرب والم تھے جو تواتر کے ساتھ ان کی نظموں میں موجود رہے ہیں ۔ اس حساب سے ان کے طرز حیات میں ان کی نظموں کی طرح کا کرب ہمیشہ موجود رہا۔ ان کی نظموں میں سُکھ کی تجسیم کے ساتھ ساتھ ایک کرب اور ایک حزن کی کیفیت بھی سفر کرتی ہے۔

میرا جی کی نظموں میں کرب والم سے سمجھوتہ، وجود اور عکس میں سمجھوتہ کی فضا سامنے آتی ہے۔ ان کی نظموں میں فکر وخیال اور جذب و گماں بھی باہم پیوست نظر آتے ہیں۔ جنون و خرد کی باہم پیوستگی دراصل اس انسان کی نمائندگی کرتی ہے جو خالص ہندوستانی جوگیانہ مزاج رکھتا ہے، جو سندری اور بھگوان کے باہمی تعلق کا گماں رکھتا ہے اور "ہرے اوم" جپتا ہے ۔ ان کے ہاں بڑے چھوٹے، امیر وغریب، عالم وجاہل، تونگر و ناتواں سب برابر تھے ۔ وہ انسانوں کو جماعتوں، فرقوں، مذہبوں یا سطحوں میں بانٹ نہیں پاتے۔ ان کے ہاں انسان ہونا کافی ہے چاہے وہ کوئی بھی ہو، کہیں کا بھی ہو، اس انسانی تصور کے باجود وہ قدیم ہندوستانی تہذیب و تمدن پر فریفتہ تھے اور ان کا تصور انسان بھی اسی دائرے میں قائم رہا۔ ڈاکٹر انیس ناگی لکھتے ہیں:

> " میرا جی اپنی جذباتی زندگی کا آغاز ہندوستان کی ابتدائی تاریخ سے کرتا ہے۔ چنانچہ وہ عقلی یا نیم عقلی رویے کی بجائے جذباتی ادراک کے ذریعے زندگی کے بعض پہلوؤں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے" 10

میرا جی کی نظمیں، جذبے اور حسیت کی سطح پر متاثر کُن نظمیں ہیں۔ نظموں کا مجموعی تاثر لمسی، احساسی، جذباتی تاثراتی نظموں کا ہے جو دیومالائی ماحول میں اپنی تخلیق مکمل کرتی ہیں۔ جنس اور جذبے کی یہ شاعری انسانی شکست وریخت کی جھلکتی ہوئی تصویر کشی ہے اور اس میں سوائے ذہنی آسودگی کے حصول کے کوئی روحانی یا مابعد الطبیعاتی تجربہ شامل نہیں ہے۔ ہندوستانی تہذیب کی فکری احیا کے لیے

بھی میر آجی عکس و آہنگ کی نظمیں لکھتے ہیں۔ ان کے ہاں ٹھوس وجود کا صرف تصویری حوالہ ملتا ہے۔ مادی اور ٹھوس اشیا نہیں ملتیں۔ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"میر آجی کو تصور سے پیار ہے۔ ان کی شاعری میں چیزیں نہیں بلکہ چیزوں کا تصور ملتا ہے۔ اُنھیں عورت سے زیادہ عورت کا تصور عزیز ہے۔ منظر بھی منظر بن کر نہیں بلکہ تصور بن کر شاعری میں آتا ہے۔"11

میر اجؔی کے ذاتی دکھ کا تلازماتی اور استعارتی نظام فارسیت سے اپنی قربت نہیں رکھتا۔ وہ پر چھائیاں جو ہندوستانی معاشرت کا خاصاہیں اور ان کی شاعری کے سوتے قدیم ہندی شاعری سے پھوٹتے ہیں۔ ان کا ہندوستانی تہذیبی سرچشموں سے قریب تر ہونا، انھیں فارسی شعری نظام سے جُڑنے نہیں دیتا۔ وہ مغرب سے متاثر ہوتے ہیں مگر مغرب کا تخلیقی و معاشرتی نظام ان کے ہاں مشرق سے روشناس ہوتا ہے اور مقامیت کے تمام تر تہذیبی اثاثے میں ضم ہو کر ایک ہند آریائی شکل میں سامنے آیا ہے۔

افراد انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں کرب کی حالت میں گزرتے ہیں۔ میر اجؔی کے شدید کرب کی کیفیت ہی کُل اثاثے کے طور سامنے آتی ہے جو خالصتاً قدیم ہندوستانی معاشرے کی دین ہے۔ کرکیگارڈ اور ہائیڈ گر دونوں کرب کی کیفیت کو اپنے اپنے نقطہ نظر سے بیان کرتے ہوئے متفق بھی ہوتے ہیں کرکیگارڈ کرب کی کیفیت میں آزادی کو شرط کے طور پر پیش کرتا ہے جب کہ ہائیڈ گر مخصوص حدود کے اندر اس کیفیت کی کارکردگی دیکھتا ہے۔ سارتر کے ہاں اسی آزاد حالت کا بیان ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

"یہ کرب کی حالت ہی ہے جس میں انسان آزادی کا شعور حاصل کرتا ہے۔"12

سارتر کے مطابق کرب کے لمحوں میں جذب دروں سے سامنا ہوتا ہے اور مافوق الادراکی بھی سامنے آتی ہے۔ وہ کرب کو شعور اور جوہر کی باہمی آویزش کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔13 میر آجی کے لیے یہی کرب تخلیقیت میں برقی رُو کی طرح دوڑتا ہے ایک اور وضاحت بھی سارتر کی تعلیمات میں میر آ جی کے حوالے سے اہم ہے۔ رضی عابدی لکھتے ہیں:

"سارتر نے زندگی کو لیس دار مادے سے تشبیہ دی ہے۔ یہ ٹھوس جسم اور مائع کے درمیان کی حالت ہے۔ زندگی اور مائع کے درمیان کی حالت ہے۔ زندگی ایک ایسا سیال مادہ ہے جس میں بہاؤ ہے مگر یہ ٹھہراؤ کی جانب مائل ہے۔ جس آدمی کی زندگی کی رو تھم جائے، اُسے زندگی ایسی ہی رُکی رُکی گاڑھی ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔"14

میراجی کا تصور انسان اُس انسان کی بات کرتا ہے جو مستقبل کے لیے کوئی واضح لائحہ عمل تشکیل نہیں دیتا۔ وہ لمحہ موجود میں جیتے ہیں اور ان کی زندگی سرسری زندگی کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ان کی تخلیقی آماجگاہ وہ ہی جنگل ہیں وہی مندر اور وہی غار ہیں جہاں زندگی رُکی رُکی گاڑھی اور گنگھور فضاؤں میں بھاری بھاری سانس لیتی محسوس ہوتی ہے۔ ایک عورت میں (تیرے دامن کی لہریں ہیں یا ہے مسلا مسلا گیت)، برہا میں (سائے کالے کالے سائے، رینگ رینگ کر چلتے ہیں) دُکھ دل کا دارو، میں (ایک جھنجلا کے کروٹیں لیتی گونج کو نیند سے جگائیں) سرگوشیاں میں (لے کالی گھٹائیں آرہی ہیں، بے نشاں رفتار سے)، دور نزدیک میں (یہ وحشی سا نغمہ، رہے گا ہمیشہ مرے دل کے اندر)، سنجوگ (جیسے جنگل میں کُٹیا کے اک سیدھے سادھے دوار سے) ناگ سبھا کا ناچ میں (بہتی، رکتی، اُلجھتی جاتی، من کو مست بنائیں) وغیرہ وغیرہ یہی صورت حال اُن کی نظموں کے پہلے دور تک رہتی ہے۔15

اُنھیں نظموں میں چوری چوری دیکھنے، دُرزیدہ نگاہوں سے نظارہ کرنے اور کسی ستون، کسی آڑ میں رہ کر دیکھنے اور مسرت سمیٹنے کا ایک عجیب سے انداز سامنے آتا ہے جو اُن کی تخلیقی ماحول سے میل کھاتا ہے۔ وہ سامنے آکر زندگی کا مقابلہ کرنے کے بجائے خاموش تماشائی کی حیثیت اختیار کرتے ہیں اور یہی حیثیت اُن کی اُس انسان کے لیے ہے، جو اُن کی نظموں میں تخلیق ہوا ہے۔ میرآجی نظمیں لکھتے رہے اور ایک خوابناک ماحول اُن کے ارد گرد موجود رہا۔ میرآجی کے خواب کوئی فلسفہ پیش نہیں کرتے وہ انسانی عزو وقار کی بات بھی نہیں کرتے، اُن کی نظمیں کسی سماج سدھار تحریک کو پیش نہیں کرتیں، اُن کا معاملہ جنسی جبلت سے جُڑ کر انسانی زندگی تک پہنچتا ہے اور یوں عورت اُن کی نظموں میں جابجا نظر آتی ہے۔ اُن کا ارتکاز اس طرح اس دُنیا کی آدھی آبادی کی طرف ہو جاتا ہے جو، نہ تو اعلیٰ وارفع ہے نہ ہی ادنیٰ و ارزاں بلکہ وہ جبلتی ضروریات کی تکمیل میں انسان کی ساتھی ہے۔ میرآجی وصل کے بعد کے دورانیے کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں اور یہی وہ خالی پن ہے جو عمر بھر اُن کے جیون میں سفر کرتا رہا تو اس لحاظ سے یہ جدائی کی کہانی لگتی ہے کہ جدا ہونے کے بعد کے لمحات اُن کی تخلیقی کاوشوں میں زیادہ بیان ہوتے ہیں اور میرآجی کے لیے یہ دورانیہ زیادہ اہم ہوتا ہے۔

میرآجی آج کے انسان کو درپیش تنہائی کے دُکھ کا شاعر ہے۔ فرد فرد میں سمائی یہ تنہائی معاشرے کا اجتماعی مسئلہ بن چکی ہے۔ جذبہ ایک بھاری چیز ہے جو ہمیشہ تہ میں رہتا ہے۔ سطحِ آب پر تو فقط بُلبلے ہی نظر آتے ہیں ورنہ بھاری اشیا تو نیچے کہیں پڑی ہوتی ہیں۔ میرآجی کے ہاں جذبات بہت گاڑھے ہیں اور اُن کا پرتو اُن کی نظموں کی اوپر کی سطح پر نظر آتا ہے۔ میرآجی کے انسان کو ڈھونڈنے کے لیے

بھی جذبات کے گاڑھے پن میں اُترنا پڑتا ہے۔ پھر کہیں وہ انسان نظر آتا ہے۔ جو معروضی حالات میں گم شدہ ہے۔ میراؔجی کے جذبے اور حسیت کے اندر اُس انسان کو ڈھونڈنے کا عمل جاری و ساری رہتا ہے جس کی موجودگی معاشرتی اتھل پتھل کے دور میں اپنا نشان گم کر چکی تھی۔ گم شدہ انسان کی ابدی و ازلی تلاش و جستجو کا عمق میراؔجی کے ہاں پایا جاتا ہے۔

معاشرتی زندگی سے انسان کی باطنی دنیا کی بھول بھلیوں میں اُتر جانے کا تجربہ میراؔجی سے پہلے اُردو نظم میں متعارف نہیں ہوا تھا۔ اُردو نظم کے لیے باطنی تجربات کی بہت کم مثالیں اُردو شاعری میں موجود تھیں۔ انسانی نفسیات اور گرہ در گرہ الجھنیں اُردو شاعری کے موضوعات نہیں تھے۔ انسانی باطن کی دنیا وہ لامحدود دُنیا ہے جس کی وسعت کا اندازہ جدید ترین سائنسی دور کی ایجادات کے ہوتے بھی بہت مشکل امر ہے۔ میراؔجی قاری کا ہاتھ پکڑے ہوئے اُسی عمیق دُنیا میں اُترتے ہیں جہاں غاریں ہیں کھائیاں ہیں، اونچے نیچے ٹیڑھے میڑھے راستے ہیں اور جنھیں سمجھنے کا عمل بہت مشکل ہے۔

> ”ان کی شاعری انسانی باطن کے تجربات کا طویل سلسلہ ہے۔ وہ انسان کے اندر کی دنیاؤں میں اُترتے چلے جاتے ہیں اور نامعلوم دُنیاؤں کے منظر ہمارے سامنے لے آتے ہیں۔ ان کا شعری تجربہ صرف باطن تک محدود نہیں ہے۔ وہ زمینی زندگی کے مظاہر کو ایک تسلسل کی شکل میں دیکھتے ہیں جہاں کائنات لہروں کی صورت میں لحہ بہ لمحہ تخلیق کی منزلوں سے گزر رہی ہے، اس طرح سے دیکھیں تو میراؔجی کی شاعری کا منظر نامہ انسان، اس کی نفسیات اور کائنات کی وسعتوں میں پھیلا ہوا ہے۔“16

انسانی ذہن کی ساخت کی طرح پیچیدہ فکری اثاثہ ایک لاینحل سوالنامے کی طرح ہوتا ہے جس میں ایک سمت توجہ دی جائے تو دوسری سمت کے معاملات اوجھل ہو جاتے ہیں، ایک طرف روشنی کی کرن نظر آ جائے تو دوسری طرف کا اندھیرا دسترس میں نہیں ہوتا۔ میراؔجی کا مطالعہ اُسی انسان کا مطالعہ ہے جو شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں پر اندھیرے اُجالے کی کیفیتوں سے جھکاوا دیتا چلا جاتا ہے۔ وہ ذہین ہے وہ شاطر ہے، وہ گہرے کرب سے وابستہ ہے، وہ جنسی گھٹن میں مبتلا ہے، وہ اعصاب زدہ ہے اور وہ جذبہ و احساس کو لفظوں کا رُوپ دینے کا فن جانتا ہے۔ ان ساری کیفیات کا مطالعہ بھی میراؔجی کے مطالعہ سے براہ راست جُڑا ہوتا ہے۔ میراؔجی کا انسان وسیع ہندوستانی روز و شب، صبح و شام اور وسیع گھنے جنگلوں کا باسی بھی ہے۔ اور ایک سماجی اکائی بھی ہے۔ دراصل یہ قدیم و جدید کی تحلیل تھی۔ میراؔجی کے خارجی معاملات اِسی داخلی کرب سے مہمیز تھے جس کے سوتے قدیم زمانوں کے رہن سہن اور طرزِ حیات سے پھوٹتے تھے۔ میراؔجی کی نظمیں قدیم و جدید کے اس ملاپ سے جنم لیتی ہیں۔ قدیم ترین ادوار

کے ہندوستانی مزاج میں مرد اور عورت کے باہمی جنسی معاملات کو اجنتا الورا کے غاروں میں محفوظ کیا گیا ہے تو جنسی عمل کو تقدیس کے عملی مظاہروں کے صورت میں دکھایا گیا۔ ڈاکٹر سرور احمد لکھتے ہیں:

> "میرا جی کے یہاں جنگل، پنچھیوں، سادھوؤں اور فقیروں کی درویشانہ زندگی کا تصور بھی ملتا ہے۔ میرا جی نے اپنی نظموں کے وسیلے سے ماضی کی روایات کے بہت سے نقوش واضح کیے ہیں، جو اُن کی ہندوستانی تہذیب و ثقافت سے وابستگی کے مظہر ہیں۔"17

ہندوستانی ثقافت کی اِس چھاپ کو عمران ازفر نے بھی اپنی تحریروں کا موضوع بنایا ہے وہ اسے داخلی اور خارجی کرب سے منسلک کرتے ہیں، اُن کے مطابق:

> "میرا جی کے ہاں جنس، محبت، جذبات، مرد اور عورت کا اختلاط باہمی ایک مقدس روپ اختیار کر لیتا ہے اور اس پر ہندوستانی ثقافت کی چھاپ قاری کے لیے ایک سحر انگیز لباس کا کام کرتی ہے۔ موضوعات جنس اور داخلی معاملات کے ساتھ ساتھ خارجی مظاہرِ حیات پر بھی میرا جی کی نظمیں شاندار تمثال کی حامل ہیں۔"18

میرا جی کی نظمیں اُس سانچے سے ڈھل کر نکلتی ہیں جس کے نقش و نگار قدیم ہندوستانی آب و گل سے کاڑھے گئے تھے۔ وہ قدیم طرزِ حیات سے معاصر انسان کے درون وبیرون کے معاملات سے باہم پیوستگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ حلقہ اربابِ ذوق کے اہم ترین شاعر، اپنے موضوعاتی تنوع کی وجہ سے بھی تھے۔ وہ خوف اور بے سکون زندگی، اقدار اور روایات کی کہنگی اور سب سے زیادہ فرد کی تنہائی کو نظم کرتے ہیں۔ اُن کے ہاں ایک الگ سی حساسیت معاشرتی تناظر میں انسانی زندگی کے المیوں کو اُجاگر کرنے کی منفرد کوشش میں نظر آتی ہے۔ اُنھوں نے معاشرتی زندگی کے حوالے سے طرزِ کہن پر اڑ جانے کی انسانی جبلت کو مسترد کرتے ہوئے انسانی نفسیاتی کش مکش کا احوالِ واقعی تخلیق کرنے کی جسارت کی ہے:

> "میرا جی کی شاعری علامت کا بھرپور تجربہ (بھی) اپنے ہمراہ لائی تھی۔ اس قسم کا تصور اُردو شاعری کے لیے نیا تھا۔ میرا جی نے جن معنوی رشتوں کو اصل حقیقت قرار دیا وہ اسی علامتی عمل سے وجود میں آئے تھے اور ان کے تصورات پُرانے شعری تصورات سے مختلف تھے، یہاں فرق بنیادوں کا تھا۔"19

میرؔاجی کی ذاتی زندگی اور میرا جی کی نظموں میں وہ تمام کرب انگیزی، خود اذیتی اور ناآسودگی ایک ساتھ نظر آتی ہے جس میں الگ ہونے کا تصور نہیں بن پاتا۔ اُن کا زندگی کرنے کا ڈھنگ اُن کی نظموں کے موضوعات میں در آیا ہے اور اُن کے فکری مزاج میں شامل ہو گیا ہے:

"آندرے ژید کی Vulgarity اور Obscenity اُن کی تخلیق کی نامیاتی قوت کے طور پر اُبھرتی ہے جب کہ میر آجی کی Vulgarity اور Obscenity بعض اوقات ظاہری نمائش سے آگے نہیں بڑھتی۔"20

میر آجی کی شاعری میں وقت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اُنھوں نے اپنے دور کی طبقاتی نا آسودگی کا بے باکی سے اظہار کیا ہے۔ میر آجی کی ظاہری ہیت کذائی کے اندر چھپا ہوا شاعر عمومی معاشرتی زندگی کے باوصف سوشل ہے اور اس کے ہاں سماجی نفسیاتی اقدار کی نفی، ذات کی نفی نہیں بنتی۔ میر آجی، تعلق کی جبلت اور جنسی نفسیات کو مخصوص ثقافتی پس منظر میں منطقی اور جذباتی ملحقات کے ساتھ دیکھتے ہوئے مرد کو نہ تو محض حریص جنسی جانور سمجھتے ہیں اور نہ ہی عورت کو سر تا پا جنس خیال کرتے ہیں۔ اخلاقی اقدار کی یہ پاسداری میر اجی کی ظاہری Vulgarity اور Obscenity کو ان کی تخلیقی جست میں نامیاتی قوت نہیں بنا پاتی:

" میری نگاہوں نے شرم سے جھک کے دیکھا ہے کہ ایک ندی اور اس میں لہریں اور اس میں کچھ بلبلے سناتے ہیں اک اچھوتا، عجب نغمہ، سرود میں نے سنے تھے پتوں سے شاخ سے، اَبر سے مگر مجھے سمجھ نہ آئی (اقتباس از نادان)"21

شمیم حنفی کے مطابق میر اجی کا جنسی جبلت پر ارتکاز دراصل روح اور جسم کا ملاپ ہے۔ میر آجی کا انسان صرف روح پر مشتمل نہیں بل کہ اُس کی جسمانی ضروریات بھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"میر اجی نے جسم اور روح کے سنجوگ یا جسم کو روح بنا کر اس کی عبادت کرنے کا ذکر بار بار کیا ہے۔ یہ دراصل جسمیت کو زیادہ با معنی اور عمیق بنانے کا عمل ہے۔"22

اُردو نظم کے پورے منظر نامے میں انسان وہ مورت بن کر سامنے آتا جو اپنے پورے قدو قامت کے ساتھ ایستادہ ہے۔ میر آجی کے ہاں بھی یہی تصور حقیقت بننے کا سفر طے کرتا ہے، جس طرح شمیم حنفی لکھتے ہیں:

"میر آجی کا پورا تخلیقی اور فکری سفر، تلاشِ ذات کا سفر تھا۔"23

ان ہی معاشرتی رویوں سے بنے ہوئے امتزاج میں میر اجی کی نظموں کا مطالعہ عمومی نفسیاتی مطالعہ جات سے مختلف ایک ایسی سمت کا تعین کرتا ہے جو ان کے معاشرتی رویوں کی دلیل کے طور پر سامنے آتا ہے۔ میر اجی کا جنسی حوالہ اپنی جگہ درست مگر اُن کا سماج کی زیریں سطح پر اُتر کر ثقافتی حوالہ ایک معتبر حوالے کے ساتھ سامنے آتا ہے جس کی تہہ میں اساطیر اور دیومالا کروٹیں لیتی ہے۔ تہذیب و تمدن اور ثقافت ایک کلبلاہٹ کی صورت میں ان کی نظموں کا اثاثہ ہیں اور اسی اثاثے سے ان کے تخلیقی

مزاج کی نشان دہی ہوتی ہے۔ یہ تخلیقی مزاج جنس کے علاوہ ایک مخصوص معاشرت کا ترجمان بھی ہے اور اس سے قدیم ہندوستانی معاشرت کے مزاج کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

# حوالہ جات


1. MacIver, R.M. (1937) Society: A Textbook of Sociology, (Farrar and Rinehart, London), p: 5-6.
2. MacIver, Society, p: 5-6
3. Horton P.B., Hunt L.C., (1984) Sociology, (McGraw-Hill, New York), p: 67
4. ڈاکٹر رشید امجد: "میرا جی شخصیت اور فن "مشمولہ، نقش گر، روالپنڈی، جنوری 2002ء ص:37-38
5. 5۔ڈاکٹر وزیر آغا: اُردو شاعر کا مزاج، مکتبہ عالیہ،لاہور، گیارہواں ایڈیشن،1990ء ص:386
6. 6۔ڈاکٹر رشید امجد: میرا جی کی نظمیں مشمولہ، نقش گر، سہ ماہی روالپنڈی،2006ء ص:148
7. 7۔ڈاکٹر وزیر آغا: اُردو شاعری کا مزاج، ص:386
8. Maryanski, A and Turner, J.H (1992) The Social Cage Human Nature and the Evolution of Society, (Stanford University press, Reswood City), p: 119
9. سعادت حسن منٹو: تین گولے،(مضمون) مشمولہ: "میرا جی ایک مطالعہ "مرتب: ڈاکٹر جمیل جالبی، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،1990ء) ،ص61
10. ڈاکٹر انیس ناگی: میرآ جی ایک بھٹکا ہو اشاعر۔ (لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز،1991ء)، ص29
11. ڈاکٹر جمیل جالبی: میرا جی ایک مطالعہ ،لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،1990ء)، ص278

12. Sartre, Jean Paul (1992) Being and Nothing, (translated by Simon and Schuster), (Washington Square Press, New York), p: 65

13. Sartre, Being and Nothing, p: 73

14. رضی عابدی: سارتر کا وجودی ڈراما، مشمولہ: ادب فلسفہ اور وجودیت، ص592

15. میرا جی: کلیات میرا جی، مرتب، ڈاکٹر جمیل جالبی، (لندن: اُردو مرکز، 1988ء)، ص39 تا 73

16. ڈاکٹر تبسم کاشمیری: لا=راشد، (لاہور: نگارشات، 1994ء)، ص60

17. ڈاکٹر سرور احمد: اُردو اور ہندی رومانوی شاعری میں علامتوں کا مطالعہ، (نئی دہلی: معیار پبلی کیشنز، 1992ء)، ص112-113

18. عمران ازفر: نئی اُردو نظم، نئی تخلیقی جہت، (اسلام آباد: پورب اکیڈمی، 2013ء)، ص51

19. الیاس میراں پوری: (مرتب) جدید شعری روایت، (ملتان: بیکن بکس ہاؤس، 2012ء)، ص 188

20. ڈاکٹر رشید امجد: میرا جی کی نظمیں، مشمولہ: جدید شعری روایت، ص192

21. ڈاکٹر رشید امجد: میرا جی کی نظمیں، مشمولہ: جدید شعری روایت، ص193

22. ڈاکٹر رشید امجد: میرا جی کی نظمیں، مشمولہ: جدید شعری روایت، ص193

23. شمیم حنفی، میرا جی اور ان کا نگار خانہ، (کراچی: شہرزاد، 2013ء)، ص 51

1. MacIver, R.M. (1937) "Society: A Textbook of Sociology", (Farrar and Rinehart, London), Pp 5-6.
2. MacIver, "Society", Pp 5-6
3. Horton P.B., Hunt L.C., (1984) "Sociology", (McGraw-Hill, New York), Pp 67
4. Dr Rasheed Amjad: "Meera Ji: Shakhsiat r Fun" Rawalpindi: Naqash Gar, January 2002, Pp 37-38
5. Dr Wazir Agha: "Urdu Shaer ka Mizaj" Lahore: Maktabae Aalia, 11th ed, 1990, Pp 386
6. Dr Rasheed Amjad: "Meera Ji ki Nazmain" included in: Naqash Gar, Rawalpindi, 2006, Pp 148
7. Dr Wazir Agha: "Urdu Shaer ka Mizaj" Lahore: Maktabae Aalia, 11th ed, 1990, Pp 386
8. Maryanski, A and Turner, J.H (1992) The Social Cage Human Nature and the Evolution of Society, (Stanford University press, Reswood City), Pp 119
9. Saadat Hasan Manto: "Teen Golay" (Article) included in: Meera ji aik Mutalia, Compiler: Dr Jamil Jalbi, Lahore: sange Meel Publications, 1990, Pp61
10. Dr Anees Nagi: "Meera Ji aik bhatka hua Shaer" Lahore: Pakistan Books & Literary Sounds, 1991, Pp 29
11. Dr Jamil Jalbi: "Meera Ji aik Mutalia" Lahore: Sange Meel Publications, 1990, Pp278
12. Sartre, Jean Paul (1992) Being and Nothing, (translated by Simon and Schuster), (Washington Square Press, New York), Pp 65
13. Sartre, Being and Nothing, Pp 73
14. Razi Abdi: "Satre ka Wujudi Drama" included in: Adab , Falsafa r Wujudiat, Pp 592
15. Meera Ji: "Kulliate Meera Ji" Compiler: Dr Jamil Jalbi, London: Urdu Markaz, 1988, Pp 39-73

16. Dr Tabassum Kashmiri: "La=Rashid" Lahore: Nigarshat, 1994, Pp 60
17. Dr Sarwar Ahmad: "Urdu r Hindi Romanwi Shaeri mein Alamton ka Mutalia" New Delhi: Maayar Publications, 1992, Pp 112-113
18. Imran Azfar: " Nai urdu Nazam, Nai Takhliqi Jehat" Islamabad: Poorab Academy, 2013, Pp 51
19. Ilyas Meeranpuri: (Editor) "Jadeed Sheri Riwayat" Multan: Beacon Books, 2012, Pp188
20. Dr Rasheed Amjad: "Meera Ji ki Nazmain" included in: Jadeed Shaeri Riwayat, Pp 192
21. Dr Rasheed Amjad: "Meera Ji ki Nazmain" included in: Jadeed Shaeri Riwayat, Pp 193
22. Dr Rasheed Amjad: "Meera Ji ki Nazmain" included in: Jadeed Shaeri Riwayat, Pp 193
23. Shamim Hanfi: "Meera Ji r un ka Nigar Khana" Karachi: Sheharzad, 2013, Pp 5